Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

اکبر الٰہ آبادی اور علّامہ اقبال کی فکری مماثلتیں

Intellectual Similarities between Akbar Ilahabadi and Allama Iqbal

Muzammil Ameen
Research Scholar PhD, Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur
Dr. Irum Saba
Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur
Dr. Muhammad Asghar Sial
Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur

مزمل امین
ریسرچ اسکالر پی ایچ۔ڈی، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور
ڈاکٹر ارم صبا
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور
ڈاکٹر محمد اصغر سیال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور

Abstract

This paper discusses the common ideas found in the poetry of Akbar Ilahabadi and Allama Iqbal, two important Urdu poets who wrote during British rule in India. Although their styles were different. Akbar used humor and satire, while Iqbal used deep and serious language. They both wanted to help Muslims wake up and improve their condition. Akbar criticized how Muslims were copying Western culture without understanding it, especially through English education and lifestyle. He believed this was making them forget their own religion and traditions. Iqbal, after studying in the West, saw the spiritual emptiness in Western life and encouraged Muslims to return to their roots through self-awareness (KHUDI), love for God and the Prophet (ISHQ) and independent thinking (IJTIHAD). Both poets wanted to protect Islamic values, improve the Muslim education system, and inspire people to think deeply about their identity. Even though their ways of writing were different, their goal was the same to guide Muslims towards self-respect, unity, and revival.

Keywords: *Akbar Ilahabadi, Allama Iqbal, Muslim identity, Western Influence, Islamic Values, Cultural Revival, Urdu Poetry, Spiritual Awakening.*

کلیدی الفاظ: اکبر الہٰ آبادی، علامہ اقبال، مسلم تشخص، مغربی استعمار،، اسلامی اقدار، تہذیبی احیا، اردو شاعری، روحانی بیداری

اردو ادب کی تاریخ میں اگر دو ایسے شعرا کا انتخاب کیا جائے جنھوں نے اپنے دور کے فکری، تہذیبی، سیاسی اور تمدنی مسائل کو گہرائی سے محسوس کیا، اور ان مسائل پر اپنی شاعری کے ذریعے مؤثر انداز میں اظہار کیا، تو علامہ محمد اقبال (1877–1938) اور اکبر الہ آبادی (1846–1921) کے نام سرفہرست ہوں گے۔ اگرچہ دونوں شعرا مختلف طرزِ سخن و مزاج رکھتے ہیں، تاہم فکری سطح پر ان کے درمیان حیرت انگیز مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ اکبر الہ آبادی کا دور وہ تھا جب ہندوستان میں انگریز راج قائم ہو چکا تھا اور مغربی تہذیب و تعلیم نے مشرقی اقدار کو چیلنج کرنا شروع کر دیا تھا۔ اکبر نے اپنے مخصوص طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں مغربی تہذیب کے منفی اثرات پر تنقید کی اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان کا اسلوب ظاہراً مزاحیہ تھا مگر اس کے پس منظر میں ایک سنجیدہ فکر کارفرما تھی۔ وہ "پھبتیوں کے پیغمبر" کہلاتے ہیں، مگر ان کی شاعری صرف مزاح نہیں بلکہ تہذیبی شعور سے لبریز ہے۔ علامہ اقبال ایک فلسفی شاعر تھے جنھوں نے مغرب میں تعلیم حاصل کی، اس کی تہذیب کا قریب سے

OPEN ACCESS
HEC
DRJI
INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
اشاریہ اردو جرائد
EuroPub

مشاہدہ کیا، اور واپسی پر مسلمانوں کے فکری و روحانی زوال کو محسوس کرتے ہوئے انہیں بیداری کا پیغام دیا۔ ان کی شاعری میں خودی، عشق، اجتہاد، اور اسلامی نشاۃِ ثانیہ جیسے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ اقبال نے اکبر الہ آبادی کے انداز سے مختلف راستہ اختیار کیا، مگر ان کا مقصد بھی امت مسلمہ کی اصلاح اور بیداری تھا۔ یہ دونوں شعرا اپنے عہد کے آئینہ دار تھے۔ اگر اکبر طنز کے ذریعے قوم کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتے ہیں، تو اقبال فلسفے کے ذریعے امت کو اس کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے درمیان فکری اشتراکات جیسے کہ مغرب پر تنقید، اسلامی اقدار کی حفاظت، تعلیمی نظام کا جائزہ، قوم کی اصلاح، اور فرد کی بیداری ایسے نکات ہیں۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال، بظاہر طرزِ سخن اور مزاج میں مختلف ہونے کے باوجود، فکری سطح پر ایک ہی درد رکھتے تھے۔ امتِ مسلمہ کی گمشدہ شان، مغربی استعمار کی چالاکیاں اور اسلامی تہذیب کی بقا، ان دونوں نے اپنے اپنے انداز میں قوم کو جگانے کی کوشش کی۔ ایک نے طنز و مزاح کے پردے میں سچ کہا، دوسرے نے فلسفے اور جذبے کی آمیزش سے بیداری پیدا کی۔ اکبر الہ آبادی کی فکر کی بنیاد اسلامی اقدار پر تھی۔ وہ مغربی تہذیب کے مصنوعی چمک دمک سے متاثر ہونے والے مسلمانوں کو آئینہ دکھاتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ مغربی علوم کی ظاہری چکاچوند نے مسلمانوں کو ان کی اصل سے دور کر دیا ہے۔ وہ ایسے معاشرے پر طنز کرتے تھے جہاں تعلیم کا مطلب صرف انگریزی لباس اور مغربی انداز ہو گیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے (1)

اکبر کے نزدیک تہذیبِ مغرب کا سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ اس نے روحانیت کو ترک کر دیا، مادیت کو غالب کر دیا، اور انسان کو صرف عقلی اور سائنسی بنیادوں پر جانچنے لگا۔ اسی فکری پس منظر میں اقبال بھی مغرب پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اقبال نے مغربی فکر و فلسفہ کو براہ راست سمجھا، اس کا مطالعہ کیا، اور اس کے اندرونی تضادات کو آشکار کیا۔ ان کے نزدیک مغرب کی ترقی صرف مادی ہے، روحانی نہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کو خبردار کرتے ہیں کہ اگر مغرب سے محض سائنسی ترقی مستعار لی گئی، اور اس کے ساتھ اپنی روحانی اقدار کو ترک کر دیا گیا، تو یہ تباہی کا راستہ ہو گا۔ وہ کہتے ہیں:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا (2)

یوں اکبر اور اقبال دونوں نے امت کو اپنی اصل پہچان کی طرف لوٹنے کا پیغام دیا۔ اگر اکبر طنزیہ انداز میں مسلمانوں کی غفلت پر تبصرہ کرتے ہیں، تو اقبال فلسفیانہ انداز میں ان کے ذہن و دل کو جھنجھوڑتے ہیں۔ دونوں شعرا کی فکری جہات میں دین، تہذیب، تعلیم، اور مغرب کے بارے میں سنجیدہ موقف موجود ہے:

"محض لباس اور بنگلے میں ان کی نقالی نہ کرو۔ مگر قوم "صاحب" کے ہنر کو حاصل کرنے کی بجائے اس کی نقالی پر مستعد ہو گئی۔ اکبر کے تیس چالیس سال بعد اقبال نے بھی بالعموم وہی کچھ کہا جو اکبر پہلے کہہ چکے تھے" (3)

اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کی فکری ہم آہنگی کا ایک نمایاں پہلو مغرب کے بارے میں ان کا تنقیدی رویہ ہے۔ دونوں شعرا نے مغربی تہذیب کے محاسن کو نظر انداز کیے بغیر، اس کے مضر اثرات پر گہری نظر رکھی اور اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ مغرب کی اندھی تقلید ان کے لیے زوال کا باعث بنے گی۔ اکبر الہ آبادی کا انداز ظریفانہ تھا، مگر ان کا مقصد سنجیدہ تھا۔ وہ مغربی تہذیب کی سطحی تقلید کو "فیشن"، "تعلیم"، "تمدن" اور "ترقی" کے لبادے میں دیکھتے تھے۔ اکبر نے ایسے طبقے کو طنز کا نشانہ بنایا جو مغربیت کو "مہذب" ہونے کا معیار سمجھنے لگا تھا۔ ان کے ایک شعر سے اکبر کی تنقیدی فکر کا اندازہ ہوتا ہے:

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا(4)

یہ طنز صرف عورتوں کے پردے پر نہیں، بلکہ پورے معاشرے کے اس رجحان پر ہے جو مغرب سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب اور اقدار کو ترک کرتا جارہا تھا۔ اکبر کا اعتراض مغرب سے نہیں بلکہ اپنی قوم کی اندھی نقالی سے تھا۔

اقبال کا تنقیدی انداز گہرا، فلسفیانہ اور اجتہادی تھا۔ وہ مغرب کے فلسفے، سیاست، تعلیم، اور سرمایہ دارانہ نظام کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغرب نے روح کو فنا کر کے جسم کو چمکایا ہے، انسان کو محض معاشی مشین بنادیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے؟
خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے؟(5)

اقبال کے خیال میں مغرب کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے عقل کو فوقیت دے کر عشق کو نظر انداز کر دیا، جبکہ اسلامی فکر میں عشق ہی وہ قوت ہے جو انسان کو خودی کی معراج تک لے جاتی ہے۔ جمہوری طریقے سے چناؤ کے نظام پر چوٹ کرتے ہوئے علامہ اقبال مغرب کے ظاہری نظام پر بھی سوال اٹھاتے ہیں:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے(6)

گویا اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں نے مغرب کے اندرونی تضادات کو بے نقاب کیا، مگر انداز مختلف اپنایا۔ اکبر طنز سے، اقبال فلسفے سے، مگر دونوں کی نگاہ میں مغربی تہذیب کی اندھی تقلید اور ظاہری چمک دمک مسلمان کے لیے زہر ہے، اگر وہ اپنی اصل کو بھول جائے۔ قوم اور ملت کا تصور اُردو شعرا کے ہاں ہمیشہ اہم رہا ہے، مگر اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال نے اس تصور کو جس شدت، وسعت اور بصیرت کے ساتھ بیان کیا، وہ منفرد ہے۔ ان دونوں شعرا نے قوم کی حالت، بیداری، زوال، اور اصلاح کو اپنی فکر کا محور بنایا۔ فرق صرف انداز بیان کا ہے — اکبر نے طنز و مزاح سے بات کی، اور اقبال نے فلسفے اور ولولہ انگیز شاعری سے۔ اکبر الہ آبادی کے نزدیک قوم کی بربادی کا سبب تعلیم، تہذیب، اور اقدار کی سطحی تقلید تھی۔ وہ قوم کی غفلت، چاپلوسی، اور خود فراموشی کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں:

قومیّت کچھ بھی نہیں، علم و ہنر سب کچھ ہے
لیکن اکبر یہ بھی فقط مغرب کا چلن ہے(7)

اکبر کے نزدیک قوم پرستی اس وقت بے معنی ہو جاتی ہے جب اس کا تعلق صرف زبان، لباس یا سیاست سے ہو، اور دین و تہذیب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ان کے اشعار میں ملت کی صورتِ حال پر طنز کرتے ہوئے بھی دردِ دل کی جھلک نمایاں ہے۔ دوسری طرف علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کا تصور نہایت فکری گہرائی اور اسلامی بنیادوں پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک قوم کی بنیاد رنگ، نسل یا زبان نہیں بلکہ دینِ اسلام ہے۔ وہ قرآن کی روشنی میں ایک ایسی ملت کا تصور پیش کرتے ہیں جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروتی ہے:

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا(8)

اقبال کے یہاں قوم ایک روحانی وحدت ہے، جو عشقِ رسول ﷺ، خودی، اور قرآن کی پیروی سے تشکیل پاتی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمان قوم جب تک اپنی دینی شناخت کو مرکز بنائے رکھے گی، تب تک سربلند رہے گی۔ یوں اکبر قوم کو طنز کے آئینے میں دیکھتے ہیں، اور اقبال

اس کی تعبیر و تشکیل کا خواب دکھاتے ہیں۔ دونوں کا مقصد اصلاح ہے۔ ایک ہنسا کر جگاتا ہے، دوسرا جھنجھوڑ کر۔ تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی و زوال میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں نے اپنے کلام میں تعلیم کے موضوع کو غیر معمولی اہمیت دی۔ ان کا اعتراض تعلیم کے خلاف نہیں بلکہ اس تعلیم کے خلاف تھا جو محض رسمی، مادہ پرستانہ اور مغربی تہذیب کا نمائندہ ہو۔ ان کے نزدیک ایسی تعلیم جو روحانیت، اخلاقیات، اور ملی شعور سے عاری ہو، وہ قوم کے لیے نقصان دہ ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اس دور کے جدید تعلیمی اداروں پر نہایت لطیف انداز میں طنز کیا۔ ان کے نزدیک مغربی تعلیم نے مسلمانوں کو ان کی تہذیب، دین، اور فکری اساس سے دور کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں(9)

اکبر کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض انگریزی بولنا، پینٹ کوٹ پہننا یا مغربی انداز اپنانا نہیں، بلکہ انسان کی تربیت، فہم، اور اخلاقی تطہیر ہے۔ وہ "تعلیم یافتہ جاہل" کا تصور پیش کرتے ہیں جو ڈگری تو رکھتا ہے، مگر شعور و تہذیب سے خالی ہے۔ علامہ اقبال بھی تعلیم کے اس نظام سے ناخوش تھے جو مغرب سے درآمد شدہ ہو، مگر اس میں روحانی بصیرت، دینی اقدار، اور قومی غیرت نہ ہو۔ وہ تعلیم کو محض معلومات کے انبار نہیں سمجھتے، بلکہ اسے "تعمیرِ خودی" کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں۔ علم کے چار عنصر ہیں: فلسفہ، حکمت، تدبیر، خودی۔

اقبال کی تعلیم کی بنیاد قرآن، سنت، اور اجتہاد پر ہے۔ ان کے نزدیک تعلیم وہی کارگر ہے جو افراد میں قیادت، بصیرت اور دینی حمیت پیدا کرے۔ یوں دونوں شعرا نے قوم کو وہ تعلیم حاصل کرنے کا پیغام دیا جو محض ملازمت یا تقلیدِ مغرب نہ ہو، بلکہ شعور، کردار اور ملی غیرت کی ضامن ہو۔ اکبر نے یہ پیغام طنز سے دیا، اقبال نے فکری گہرائی سے، مگر دونوں کا مقصد ایک ہی تھا: ایک باشعور، بااخلاق اور خوددار قوم کی تشکیل۔ قوموں کی بربادی صرف عسکری یا سیاسی شکست سے نہیں ہوتی بلکہ اخلاقی انحطاط اس کا اصل محرک ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کی شاعری میں ہمیں بار بار ایسے خیالات ملتے ہیں جن میں وہ قوم کے اخلاقی زوال پر افسوس کرتے ہیں، اس کی وجوہات بیان کرتے ہیں، اور اس سے نکلنے کی راہیں تجویز کرتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے نزدیک قوم کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ اس نے اپنی اصل اخلاقی اور دینی بنیادوں کو چھوڑ کر محض مغربی طرزِ زندگی کو اپنایا، جس میں ظاہر پرستی اور مادیت غالب تھی۔ وہ اکثر طنزیہ انداز میں اخلاقی انحطاط کو بیان کرتے ہیں:

عشق نازک مزاج ہے بے حد
عقل کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا(10)

اکبر کے کلام میں اخلاقی اقدار کی پامالی پر سخت گرفت کی گئی ہے، خاص طور پر ان طبقوں پر جو تعلیم، سیاست یا ثقافت کے نام پر بے راہ روی کو فروغ دے رہے تھے۔ ان کے نزدیک اخلاق صرف مذہبی عبادات کا حصہ نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں بنیاد ہے۔ علامہ اقبال نے اخلاقی زوال کو روحانی زوال کا نتیجہ قرار دیا۔ ان کے نزدیک جب انسان کی خودی مردہ ہو جاتی ہے، تو اس کے کردار، عمل، نیت اور ارادے سب کمزور ہو جاتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ امت مسلمہ کا زوال اس کی روحانی اقدار کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا(11)

اقبال کے مطابق اخلاقی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ فرد پہلے اپنی باطنی دنیا کو درست کرے، کیونکہ جب تک اندر سے تبدیلی نہیں آتی، بیرونی قوانین بے اثر رہتے ہیں۔ اکبر اور اقبال دونوں نے قوم کے اخلاقی زوال کو مغربی نقالی، دینی غفلت، اور روحانی بے راہ روی سے جوڑا۔ دونوں نے

اپنے اپنے اسلوب میں مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بنیادوں کی طرف لوٹنے کی دعوت دی—اکبر نے چٹکلوں اور طنز کے ذریعے جب کہ اقبال نے فلسفے اور عرفان کے ذریعے اصلاحِ ملت کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اردو شاعری میں اگر کوئی دو شعرا ایسے ہیں جنھوں نے بظاہر مختلف اسالیب کو قوم کی اصلاح کے ایک ہی مقصد میں سمو دیا ہو، تو وہ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال ہیں۔ اکبر نے طنز کو اصلاح کا آلہ بنایا، جبکہ اقبال نے فلسفے کو دعوتِ فکر کا ذریعہ۔ دونوں کے ہاں شعر صرف تخلیقی اظہار نہیں بلکہ مقصدی پیغام ہے، جو ذہنوں کو بیدار کرتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کی شاعری میں طنز صرف تفریح کے لیے نہیں بلکہ ایک فکری وار ہے، جو دل میں چبھتا ہے اور ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے۔ ان کے اشعار میں تہذیبی، معاشرتی، تعلیمی، اور مذہبی رویوں پر تنقید ملتی ہے۔ ان کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ پڑھنے والا پہلے مسکراتا ہے، پھر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ (12)

اس شعر میں بظاہر مزاح ہے، مگر اس کے برعکس قیادت پر ایک تلخ تبصرہ موجود ہے۔ اکبر کے طنز میں تہذیبی فکر چھپی ہوئی ہے، جو انھیں عام مزاح نگار سے ممتاز بناتی ہے۔

دوسری طرف، علامہ اقبال نے فلسفے کو شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ ان کے ہاں ہر شعر ایک فکری درس ہے، ہر مصرعہ ایک اجتہادی سوچ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے اشعار قاری کو صرف متاثر نہیں کرتے بلکہ اسے ایک فکری جہت فراہم کرتے ہیں۔ اقبال "فلسطینی عرب سے" کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

زمانہ اب بھی نہیں جس جے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے (13)

یہ اشعار صرف شاعرانہ خیال نہیں، بلکہ اقبال کی قوم پرستی، قیادت، اور شخصیت سازی کے فلسفے کا خلاصہ ہیں۔ اقبال نے شاعری کو ایک فکری تحریک میں بدل دیا—ایسا تحرکِ فکر جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ذہنی اور روحانی سطح پر بیدار کیا۔ اکبر کا طنز اور اقبال کا فلسفہ دونوں حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایک کا اسلوب ہنسا کر جگاتا ہے، دوسرے کا کلام غور و فکر کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ مگر دونوں کا ہدف ایک ہے؛ قوم کی اصلاح، بیداری اور ترقی۔ ان کی شاعری میں طنز اور فلسفہ، دونوں ایک فکری مشن کے خادم ہیں۔ کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار اس کے افراد کی خودی، شعور، اور احساسِ ذمہ داری پر ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں نے اپنی شاعری میں فرد کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اکبر کا زاویہ طنزیہ اور اصلاحی تھا اور اقبال کا انداز فلسفیانہ اور اجتہادی، لیکن دونوں نے فرد کو ایک فعال، باشعور، اور خوددار اکائی کے طور پر پیش کیا۔ علامہ اقبال کی شاعری میں "خودی" مرکزی تصور ہے۔ ان کے نزدیک خودی وہ باطنی قوت ہے جو انسان کو غلامی سے نجات دیتی ہے، اسے کائنات پر اثر انداز ہونے کی طاقت عطا کرتی ہے، اور اسے اپنے رب کے قرب تک پہنچنے کے قابل بناتی ہے۔ اقبال کا فرد محض ایک سماجی وجود نہیں بلکہ ایک روحانی و فکری طاقت ہے، جو اپنی ذات میں کائناتی قوت رکھتا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ ہر مسلمان اپنی خودی کو پہچانے اور اسے پروان چڑھائے۔ اکبر الہ آبادی نے اگرچہ "خودی" کو اس انداز سے نہیں اپنایا جیسا کہ اقبال نے، مگر وہ فرد کی بیداری، خودداری، اور سماجی شعور کو اپنی طنزیہ شاعری میں ضرور ابھارتے ہیں۔ ان کے ہاں فرد وہ ہے جو محض تعلیم یافتہ نہ ہو بلکہ بیدار مغز، ذمے دار اور باشعور ہو۔ اکبر نے ایک طرف معاشرتی ناانصافی کو اجاگر کیا ہے اور دوسری طرف فرد کی بے بسی اور خاموشی پر طنز کیا ہے۔ وہ فرد کو معاشرے کے جھوٹے معیاروں پر

تنقید کرنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ اقبال کا فرد خودی کا پیکر ہے، جو "شاہین" بن کر بلند پرواز کرتا ہے۔ اکبر کا فرد وہ ہے جو طنز کی ضربوں سے بیدار ہو، اپنی تہذیب کو پہچانے، اور مغرب کی اندھی نقالی کو ترک کرے۔

یوں دونوں شعرا، مختلف اسالیب کے باوجود، فرد کی تربیت اور بیداری کو اپنا نصب العین بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک قوم کی بقا، فرد کی خودشناسی سے مشروط ہے۔ کسی قوم کی فکری گہرائی کا اندازہ اس کے اہلِ قلم کے تصورِ وقت سے لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی دونوں شعرا نے وقت کی حقیقت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو یہ پیغام بھی دیا کہ ماضی سے سبق لے کر حال کو سنوارا جائے اور مستقبل کو ایک بہتر سمت دی جائے۔ ان کے ہاں وقت کا تصور جامد نہیں، بلکہ ایک مسلسل حرکت میں رہنے والی حقیقت ہے۔ اکبر الہ آبادی کا طرزِ سخن چونکہ طنزیہ اور ظریفانہ ہے، اس لیے انہوں نے وقت کے گزرنے، اور اس کے اثرات کو ایک معاشرتی طنز کی صورت میں پیش کیا۔ وہ ماضی کی سادگی اور حال کی پیچیدگی کو ایک دوسرے کے مقابل رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں ماضی کی قدریں اور سچائیاں نمایاں، جب کہ حال کی صورتِ حال پر گہرا طنز موجود ہے۔ اکبر نے یہ دکھایا کہ وقت کی کروٹوں نے انسان کو اس کی اصل سے کس طرح محروم کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک حال، ماضی کی نقالی اور مستقبل کی اندھی تقلید میں کھو گیا ہے۔ دوسری طرف علامہ اقبال نے وقت کو محض ایک خطی تسلسل نہیں بلکہ ایک جدلیاتی (dialectical) حقیقت سمجھا۔ ان کے نزدیک وقت ماضی، حال اور مستقبل کے درمیان تعلق کا نام ہے، جو فرد اور قوم کو ہر لمحہ نئی تشکیل کی دعوت دیتا ہے۔ اقبال کا ماضی محض نوحہ نہیں، ایک سرمایہ ہے؛ حال ایک میدانِ عمل ہے، اور مستقبل ایک امید و امکانات کی دنیا ہے۔ اقبال کے نزدیک حال کو سمجھنا اور اسے عمل کا میدان بنانا ضروری ہے، تاکہ مستقبل بہتر بنایا جاسکے۔ وہ نوحہ خوانی کے قائل نہیں، بلکہ متحرک عمل، اجتہاد، اور تخلیق کے داعی ہیں:

یقیں، محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں(14)

یوں اکبر نے وقت کی ستم ظریفی پر طنز کیا اور حال کی بدحالی پر دکھ کا اظہار کیا، جبکہ اقبال نے وقت کو ایک روحانی اور عملی طاقت کے طور پر سمجھا، جس سے خودی کو بیدار اور ملت کو فعال بنایا جاسکتا ہے۔ اسلامی تہذیب صرف مذہبی عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس میں عقیدہ، عبادات، معاشرت، سیاست، اور تمدن سب شامل ہیں۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں نے اس تہذیب کی عظمت کو تسلیم کیا اور اس کے زوال پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ ان کی شاعری میں اسلامی تہذیب کی بقا، اس کی روحانی بنیادوں کی حفاظت، اور مغربی یلغار سے اس کو بچانے کی فکر نمایاں ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اسلامی تہذیب پر براہ راست گفتگو کم کی، لیکن ان کے طنز میں یہ درد بار بار جھلکتا ہے کہ مسلمان اپنی تہذیبی شناخت کو ترک کر کے محض مغربی تہذیب کی نقالی میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ان کا طنز تہذیبی خود فراموشی پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ اکبر کی نظر میں مغربی تہذیب نے مسلمان کو اس کی دینی غیرت، تہذیبی شرم و حیا، اور معاشرتی ہم آہنگی سے محروم کر دیا ہے۔ ان کے اشعار میں یہ تلخ پیغام چھپا ہوا ہے کہ اگر مسلمان اپنی تہذیبی اقدار سے ہٹ گئے، تو ان کی بقا ممکن نہیں۔ علامہ اقبال نے اسلامی تہذیب کی بقا کو اپنی فکر کا مرکز بنالیا۔ ان کے نزدیک اسلامی تہذیب کا ستون "روحانیت"، "اخلاق"، "اجتہاد"، اور "خودی" پر کھڑا ہے۔ وہ اس تہذیب کو مغرب کی مادی تہذیب کے مقابل ایک اعلیٰ انسانی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ(15)

اقبال کے نزدیک اسلامی تہذیب صرف تاریخی ورثہ نہیں بلکہ ایک زندہ نظام ہے، جو ہر دور میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مغربی فلسفے کے بجائے قرآن کو اپنا مرکز بنائیں۔ اکبر اور اقبال دونوں نے اسلامی تہذیب کی بقا کو مسلمانوں کی خود شناسی، تعلیم، اخلاق، اور دینی شعور سے مشروط قرار دیا۔ اکبر نے اس تہذیب کی پامالی پر طنز کیا، جب کہ اقبال نے اس کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب دکھایا۔ اکبر الہ آبادی کو عمومی طور پر طنز و مزاح کا شاعر سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر ان کے کلام کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو اس میں گہری فکری معنویت، تہذیبی شعور اور اصلاحِ احوال کی بھرپور کوشش نظر آتی ہے۔ وہ اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں معاشرتی، تہذیبی، تعلیمی، اور مذہبی مسائل کی نشان دہی کرتے ہیں، اور ان پر ہلکے پھلکے طنز کے ذریعے قاری کو جھنجھوڑتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے اپنی ظرافت میں ایک مصلحِ قوم کی آواز چھپا رکھی تھی۔ وہ قوم کو آئینہ دکھاتے تھے، اور ایسا انداز اپناتے تھے جو عام قاری کے لیے بھی قابلِ قبول ہو۔ ان کا کلام آج بھی فکری بیداری کا سرچشمہ ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری محض الفاظ کا جادو یا جذبات کا اظہار نہیں، بلکہ ایک فکری تحریک، ایک دینی و تہذیبی بیداری، اور ایک روحانی پیغام ہے۔ ان کے کلام میں فلسفہ، اجتہاد، عشق، خودی، اور ملت کے تصور کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر شعر ایک فکری انقلاب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اقبال نے مغربی جمہوریت، سیاست، اور معاشرت پر بھی تنقیدی نظر ڈالی۔ ان کا ایک شعر ہے:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے(16)

یہاں اقبال جمہوریت کے اس نظام پر تنقید کر رہے ہیں جس میں معیارِ انسانیت کا اندازہ صرف تعداد سے لگایا جاتا ہے، کردار اور صلاحیت کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں عشق بھی محض ایک جذباتی کیفیت نہیں، بلکہ ایک روحانی قوت ہے۔ اقبال کی شاعری میں جو گہرائی، وسعت، اور کثیر الجہتی فکر ہے، وہ اردو ادب میں بے مثال ہے۔ ان کے اشعار نہ صرف شاعر کی بصیرت کے غماز ہیں بلکہ وہ پورے مسلم اُمہ کے لیے فکری لائحۂ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ادب کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ قاری کو محض لطف نہ دے بلکہ فکر کے دروازے بھی کھولے۔ اردو شاعری میں اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دو ایسے بلند پایہ شعرا ہیں جنھوں نے اپنے فن میں مزاح اور سنجیدگی کو بیک وقت سمو کر ایک منفرد اسلوب تشکیل دیا۔ ان دونوں نے قوم کو آئینہ دکھایا، مگر انداز جداگانہ تھا—اکبر نے ہنسا کر بات کی، اقبال نے جھنجھوڑ کر۔ اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کو محض دل لگی کے لیے استعمال نہیں کیا، بلکہ ایک سنجیدہ اصلاحی پیغام دیا۔ ان کی شاعری میں مزاح کی تہہ میں معاشرتی حقیقتیں چھپی ہوتی ہیں۔ وہ معاشرتی تضادات، طبقاتی تفاوت، مذہبی بے شعوری، اور مغربی نقالی پر ظریفانہ مگر فکر انگیز تبصرہ کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے شاعری کو فکری تحریک میں بدل دیا۔ ان کے کلام میں سنجیدگی، عظمت، ولولہ، اور حکمت کی آمیزش ہے۔ وہ شاعری کے ذریعے سوتی ہوئی قوم کو جگانے، غلامی کی زنجیروں کو توڑنے، اور خودی کو بیدار کرنے کا درس دیتے ہیں۔ مگر اقبال کی سنجیدگی بھی ایسی سخت گیر نہیں کہ اس میں انسانی جذبات کی نرمی نہ ہو۔ ان کے اشعار میں گہری حکمت ہوتی ہے:

یہی آئینِ قدرت ہے، یہ اُسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوبِ فطرت ہے(17)

یہ شعر امید، یقین، اور عمل کا پیغام ہے، جو قنوطیت سے بھری قوم کے لیے زندگی کی نوید بن کر آتا ہے۔ اکبر کی شاعری میں مزاح وہ آئینہ ہے جس میں قوم اپنی بدصورتی کو ہنستے ہنستے دیکھتی ہے، جبکہ اقبال کی سنجیدہ شاعری وہ شعلہ ہے جو دل کو جلاتی ہے، روح کو بیدار کرتی ہے۔ یہی امتزاج

ان دونوں کو منفرد بناتا ہے۔ اکبر مزاح میں سنجیدگی لاتے ہیں اور اقبال سنجیدگی میں محبت، امید، اور ولولہ پیدا کرتے ہیں۔ دونوں نے فن کو مقصدیت کا جامہ پہنایا اور اردو شاعری کو محض تخلیقی اظہار سے بڑھا کر ایک فکری مشن میں بدل دیا۔ اسلام ایک عالمی دین ہے جس کا پیغام صرف فرد یا قوم تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اسی وسیع تر تناظر میں اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کی شاعری میں ہمیں امتِ مسلمہ کی وحدت، اس کی فکری بیداری اور دینی ہم آہنگی کی پکار سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ ان دونوں کا اسلوب الگ ہے، مگر پیغام ایک ہے — امت کو بیدار ہونا ہو گا، ورنہ فنا اس کا مقدر ہے۔ اکبر الہ آبادی نے ملت کے بکھرتے ہوئے شیرازے کو طنز کا نشانہ بنایا۔ وہ امت میں مذہبی، تعلیمی اور تہذیبی غفلت کو ایک خطرناک علامت سمجھتے تھے۔ ان کے کلام میں امت کے زوال پر افسوس کے ساتھ ساتھ ایک دردِ دل بھی چھپا ہوا ہے۔ اکبر نے مسلمانوں کو اس فریب سے بچانے کی کوشش کی جو مذہب کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ ان کا اصرار تھا کہ مذہب ہی امت کی شناخت اور مرکزِ وحدت ہے، اس کے بغیر نہ کوئی قومی تشخص قائم رہتا ہے، نہ اخلاقی قدریں۔ علامہ اقبال کا تصورِ ملت کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ وہ صرف برصغیر کی مسلم قومیت تک محدود نہیں بلکہ ایک عالمی اسلامی برادری کی بات کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک امتِ مسلمہ کے بکھرنے کا سبب مغربی قومیت کا اثر، مادیت، اور دینی بے شعوری ہے۔ اقبال نے امت کو صرف ماضی کی عظمت یاد دلانے کے لیے نہیں جگایا، بلکہ مستقبل کی تعمیر کے لیے عملی پیغام دیا۔ ان کے نزدیک امت کی بقا اتحاد، علم، خودی، اور عشقِ رسول ﷺ میں ہے۔ اکبر کا انداز طنز پر مبنی تھا، اقبال کا انداز فکر اور ولولہ پر، مگر دونوں نے امت کو اس کی اصل پہچان یاد دلائی — ایک قرآن کی طرف رجوع کا پیغام دے کر، دوسرا مغرب کی اندھی تقلید سے بچا کر۔ ایک باشعور شاعر محض جمالیاتی اظہار تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے عہد کے مسائل کا آئینہ بھی ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال دونوں نے اپنی شاعری میں معاشرتی، سیاسی، اور اقتصادی مسائل پر بھرپور تنقید کی۔ ان کی نظر صرف ادب پر نہیں، بلکہ زمانے کی نبض پر تھی۔ ان کی شاعری میں ایک طرف سیاسی بدحالی، دوسری طرف بیوروکریسی کا استحصال، اور تیسری طرف طبقاتی ناہمواری کا درد نظر آتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے سیاست پر طنز کے تیر برسائے۔ ان کے نزدیک وہ سیاست جو اصول و اخلاق سے عاری ہو، دراصل قوم کی تباہی کا ذریعہ ہے۔ وہ سیاسی منافقت، نوکر شاہی کے ظلم، اور طبقاتی امتیاز پر چٹکیاں لیتے ہیں۔ علامہ اقبال کا انداز زیادہ گہرا اور فلسفیانہ ہے، مگر وہ بھی معاشرتی و سیاسی خرابیوں کو نہ صرف پہچانتے ہیں بلکہ ان کا حل بھی تجویز کرتے ہیں۔ اقبال کے ہاں سیاست عبادت سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک سیاست کا اصل مقصد عدل، اخوت، اور رفاہِ عامہ ہونا چاہیے، نہ کہ ذاتی مفاد یا استحصال۔ اقبال نے طبقاتی تقسیم پر بھی گہری تنقید کی ہے۔ ان کے نزدیک سرمایہ داری نظام نے انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے — ایک استحصال کرنے والا، دوسرا استحصال کا شکار۔ اقبال اور اکبر دونوں نے اپنے کلام میں سماجی ناہمواری، بیوروکریسی کی بدعنوانی، اور سیاسی زوال کو نشانِ عبرت بنایا۔ اکبر طنز سے چبھتے ہیں، اقبال فکر سے جھنجھوڑتے ہیں، مگر دونوں کا مقصد ایک ہی ہے — ایک ایسا معاشرہ جہاں عدل، علم، اور خودداری ہو۔ اردو شاعری میں عورت کے تصور پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال جیسے شعرا نے اس موضوع کو محض رومانویت یا جذباتیت کی سطح پر نہیں رکھا، بلکہ اس پر فکری اور تہذیبی زاویے سے غور کیا۔ ان دونوں شعرا نے اپنے عہد کی عورت کی صورتِ حال، اس کی تعلیم، پردے، کردار، اور معاشرتی مقام کے حوالے سے نہایت بصیرت افروز خیالات پیش کیے۔ اکبر الہ آبادی نے عورت کے موضوع کو اکثر طنز و ظرافت کے انداز میں بیان کیا، لیکن ان کے اشعار کے پیچھے تہذیبی اور اخلاقی شعور کارفرما ہوتا ہے۔ وہ مغربی تہذیب کے زیرِ اثر عورت کے بدلتے ہوئے کردار پر طنز کرتے ہیں ساتھ ہی انھوں نے سرکاری ملازمت پر بھی چوٹ کی ہے:

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے

بی اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی، پھر مر گئے(18)

یہ شعر طنزیہ اسلوب میں عورت کی تعلیم کے اس تصور پر سوال اٹھاتا ہے جس میں خاندان، ازدواجی زندگی، اور معاشرتی ذمہ داری کا شعور کم ہوتا جارہا ہے۔ اکبر عورت کی تعلیم کے مخالف نہیں، بلکہ ایسی تعلیم کے ناقد ہیں جو عورت کو اس کی فطری اور دینی حیثیت سے دور کر دے۔ دوسری طرف، علامہ اقبال نے عورت کو قوم کی معمار، نسلوں کی معلم، اور روحانیت کی وارث قرار دیا۔ ان کے نزدیک عورت کا مقام محض صنفی حیثیت میں محدود نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کی بنیاد ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں(19)

اقبال عورت کی عظمت کو معاشرتی اور روحانی حوالوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کی گود اولین درسگاہ ہے، اور اس کی تربیت ہی قوم کی تقدیر کا تعین کرتی ہے۔ وہ عورت کی عزت، کردار، اور پردے کے ساتھ آزادی کی قائل ہیں—ایسی آزادی جو حدودِ شریعت کے اندر ہو اور جس سے معاشرہ بگڑنے کے بجائے سنورے۔ اکبر الہ آبادی نے عورت کے موضوع کو طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش کی، جبکہ اقبال نے اسے روحانی عظمت اور تہذیبی بقا کی علامت بنا کر پیش کیا۔ دونوں کا مقصد عورت کی عزت، اس کی تربیت، اور اس کے کردار کی حفاظت ہے، مگر انداز بیان مختلف ہے۔ شاعری کا اسلوب کسی شاعر کی فکری دنیا، مزاج، اور جمالیاتی حس کا مظہر ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کے اسلوب میں بظاہر زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے، مگر جب اس فرق کی تہوں میں جھانکا جائے تو دونوں کی زبان، استعاراتی نظام، اور بیانیہ دراصل اپنے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور فکری مشن سے جڑے ہوتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی کا اسلوب سادہ، رواں، اور مکالماتی ہے۔ وہ عام فہم زبان میں بات کرتے ہیں، مگر ان کے اشعار میں طنز کی کاٹ، ہنسی کی تلخی، اور فکری گہرائی چھپی ہوتی ہے۔ وہ ضرب المثل کی سی سادگی میں پیچیدہ معاشرتی تضادات کو بیان کر دیتے ہیں:

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر

خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کہ پری نہ ہوں(20)

اکبر روزمرہ کی زبان میں شعر کہتے ہیں، جس سے ان کے اشعار عوام میں فوری اثر پیدا کرتے ہیں۔ ان کے استعارات و تشبیہات بھی گھریلو، سماجی، اور تہذیبی ماحول سے جڑے ہوتے ہیں۔ ان کے بیانیے میں ایک لطیف طنز، نرم احتجاج، اور خاموش پیغام چھپا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کا اسلوب اس کے برعکس نہایت بلند، خطیبانہ، اور فلسفیانہ ہے۔ ان کی زبان کلاسیکی، پُراثر، اور معنویت سے بھرپور ہے۔ ان کے اشعار میں عربی، فارسی، اور اردو کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، جو ان کی فکری عظمت کی غمازی کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں استعارات کا ایک وسیع نظام موجود ہے—شاہین، خودی، رموز، خواب، سحر، خاک، نور، عشق، عقل، فرشتے، ابلیس—یہ سب علامات اور رموز اقبال کی شاعری کو ایک فکری نظام عطا کرتے ہیں۔ ان کے بیانیے میں زور، روانی، اور دعوتِ عمل کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اقبال کے اشعار ایک تحریک کی طرح ہیں، جب کہ اکبر کے اشعار ایک آئینے کی مانند۔ اقبال مجاہدِ فکر ہیں، اور اکبر مصلحِ طنز۔ اقبال کی زبان خطیبانہ اور عالمی شعور کی آئینہ دار ہے، جب کہ اکبر کی زبان مقامی، روزمرہ، اور فوری اثر کی حامل ہے۔ یوں دونوں شعرا نے اردو شاعری کو اسلوب کی نئی جہات عطا کیں—اکبر نے سادگی، شگفتگی اور ظرافت سے، اقبال نے عظمت، فلسفہ اور دعوتِ انقلاب سے۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کی شاعری صرف ان کے عہد تک محدود نہیں رہی، بلکہ ان کے افکار نے اردو ادب، فلسفہ، تعلیم، سیاست اور مذہب کے میدانوں میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی شاعری ایک طرف فکری انقلاب کی بنیاد بنی، اور دوسری

طرف نئی نسلوں کے لیے راستہ متعین کرنے کا ذریعہ بنی۔ ان کے کلام کا فکری تسلسل بعد کے شعرا، ادیبوں، مصلحین اور مفکرین میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

"اکبر کا انداز بھی انہیں بھایا جس کے اثرات ان کی بعض نظموں سے ظاہر ہیں جو اکبر کے مزاحیہ رنگ میں سماج کی تنقید کرتے ہیں"(21)

اکبر الہ آبادی نے جس طنز، مزاح اور سادہ بیانی کے ذریعے مسلمانوں کی تہذیبی شکست و ریخت پر گفتگو کی، اس نے اردو ادب میں طنز کو محض تفریح نہیں رہنے دیا بلکہ ایک سماجی و اصلاحی ہتھیار بنا دیا۔ بعد کے شعرا جیسے مجاز، جگر، اور خصوصاً ڈاکٹر وزیر آغا نے اکبر کی اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اکبر کی تعلیم دشمنی نہیں بلکہ سطحی اور غیر تہذیبی تعلیم کی مخالفت تھی، جس کا اثر بعد کے تعلیم دوست اصلاحی ادیبوں پر بھی پڑا۔ علامہ اقبال کا اثر اردو شاعری اور فکری روایت پر کہیں زیادہ گہرا اور وسیع ہے۔ اقبال نے اسلامی فلسفہ، خودی، عشق، اجتہاد، اور قومی خودداری جیسے موضوعات کو شاعری کا حصہ بنا کر اردو زبان کو ایک فکری جہت عطا کی۔ ان کے فکر نے نہ صرف ادب میں ایک تحریک پیدا کی بلکہ سیاسی سطح پر بھی مسلم لیگ، تحریکِ خلافت، اور بالآخر تحریکِ پاکستان کو فکری بنیاد فراہم کی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال نے اردو شاعری کو محض حسنِ بیان کا مظہر نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ملت کی فکری تربیت اور اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ ان کی فکری روشنی آج بھی نئی نسلوں کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال اردو ادب کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جنھوں نے نہ صرف شاعری کو فکری شعور بخشا بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا۔ ان کی فکری مماثلتیں جہاں کئی سطحوں پر مضبوط دکھائی دیتی ہیں، وہیں ان کے اندازِ فکر اور اظہار میں چند بنیادی اختلافات بھی موجود ہیں جن کا تنقیدی تجزیہ ضروری ہے۔ اکبر الہ آبادی کا اسلوب طنز و مزاح سے لبریز ہے۔ ان کا ہدف مغربی تہذیب، تعلیم، اور تمدن کی اندھی تقلید ہے، لیکن ان کا اظہار براہِ راست انقلابی نہیں، بلکہ تنبیہی اور اصلاحی ہے۔ وہ فرد کو اس کی غلطیوں کا آئینہ تو دکھاتے ہیں، مگر اس آئینے میں ہنسی کی جھلک بھی موجود ہوتی ہے۔ ان کی شاعری کا دائرہ فکری گہرائی میں نسبتاً محدود ہے، مگر تہذیبی پہلو پر ان کی گرفت بے مثال ہے:

"اقبال مغربی تہذیبی رویوں اور فکر و فلسفہ کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے وہ اکبر الہ آبادی کے بھی اس لیے مدح ہیں کہ مغرب کی تہذیبی کمزوریوں کی جس قدر صحیح عکاسی اکبر نے کی ہے اور کسی کے ہاں نہیں ملتی"(22)

دوسری جانب، علامہ اقبال کا اسلوب گہرے فلسفے، روحانیت، اور انقلابی ولولے سے عبارت ہے۔ وہ نہ صرف فرد کو بیدار کرتے ہیں بلکہ اسے اپنی تقدیر کا معمار بھی بناتے ہیں۔ ان کا تصورِ خودی، عشق، اجتہاد اور ملت کا فلسفہ محض نظریاتی نہیں، بلکہ عملی بھی ہے۔ اقبال کی شاعری عالمی تناظر میں مسلم امت کو ایک نئی فکری سمت عطا کرتی ہے، جب کہ اکبر کا دائرہ کار زیادہ تر برصغیر کی تہذیبی و معاشرتی صورت حال تک محدود ہے۔

تاہم دونوں شعرا میں چند مضبوط فکری مماثلتیں مشترک ہیں:

مغرب کی اندھی تقلید کے مخالف ہیں، دین اور تہذیب کو امت کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ تعلیم، عورت، سیاست، اور معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے۔ امت مسلمہ کی غفلت، زوال، اور بیداری کو اپنا موضوع بنایا۔ مگر جہاں اکبر اصلاحِ احوال کو مزاح کے قالب میں ڈھالتے ہیں، وہیں اقبال اسے

فکری انقلاب میں تبدیل کرتے ہیں۔ اکبر کے ہاں مزاح میں تنقید کی نرمی ہے، جبکہ اقبال کے ہاں تنقید میں شدت اور حاکمانہ لہجہ ہے۔ یہ بھی کہنا بجا ہوگا کہ اقبال نے اکبر کی راہ سے مختلف راستہ ضرور اختیار کیا، مگر اکبر کی تہذیبی حساسیت، زبان کی سادگی، اور عوامی اپیل نے بعد کے ادیبوں اور اقبال کے معاصرین کو بہت کچھ سکھایا۔ آخر میں، یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور اقبال، دونوں اپنی اپنی جگہ ایک فکری تحریک کا مرکز ہیں—ایک طنز میں چھپے ہوئے درد کے ساتھ، دوسرا انقلاب میں لپٹے ہوئے خواب کے ساتھ۔ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کی شاعری اردو ادب کی تاریخ میں صرف جمالیاتی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ ایک فکری، تہذیبی اور تمدنی بیداری کی علامت ہے۔ ان دونوں شعرا نے اپنے اپنے انداز میں مسلمانوں کو ان کے زوال کی وجوہات بتائیں، ان کی اصل پہچان یاد دلائی اور ایک بہتر مستقبل کا خواب دکھایا:

"دونوں وحدانیت کے عاشق، مغربی سیاست سے دونوں نالاں، یورپی تہذیب کے مضر اثرات سے دونوں فکر مند اور وطن ہم وطنوں کی محبت سے دونوں سرشار تھے"(23)

اکبر الہ آبادی نے مزاح کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا، مگر اس مزاح میں وہ سنجیدگی اور فکر پنہاں ہے جو ہر حساس دل کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کے کلام میں تہذیبی انحطاط، تعلیمی زوال، عورت کی حیثیت، مغربی اثرات، اور سیاسی غلامی پر ایسی نرم تنبیہ موجود ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کا اسلوب عام فہم، مختصر، اور طنزیہ ہے، لیکن اس کے اندر ایک گہرا پیغام چھپا ہوتا ہے۔ دوسری جانب، علامہ اقبال کی شاعری عظمت، ولولے، اور بصیرت سے بھرپور ہے۔ وہ فرد کو خودی کا شعور دلاتے ہیں، امت کو وحدت کا پیغام دیتے ہیں، اور مسلمانوں کو قرآن، عشقِ رسول ﷺ، اور اجتہاد کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا دائرہ صرف برصغیر تک محدود نہیں، بلکہ پوری امتِ مسلمہ کو مخاطب کرتی ہے۔ وہ شاعر بھی ہیں، فلسفی بھی، اور مصلح بھی۔ اکبر نے اردو شاعری کو طنز کی نئی جہت دی، اور اقبال نے فکر و فلسفہ کو شاعری میں سمو کر ایک فکری انقلاب برپا کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے انداز میں مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی—ایک نے ہنسا کر، دوسرے نے جھنجھوڑ کر۔ موجودہ دور میں جب مسلم دنیا پھر سے فکری انتشار، تہذیبی کشمکش، اور اخلاقی زوال کا شکار ہے، تو اکبر اور اقبال کی شاعری ہمارے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اکبر ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ ظرافت میں بھی سنجیدہ پیغام ہو سکتا ہے، جبکہ اقبال ہمیں بتاتے ہیں کہ خودی، عشق، اور عمل ہی قوم کی نجات کا راستہ ہیں۔ یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال اردو ادب کے دو فکری مینار ہیں، جن کی روشنی میں ہم آج بھی اپنی سمت متعین کر سکتے ہیں، اور ایک باوقار، باعلم، اور باعمل مسلم معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. اکبر حسین رضوی، سید، "کلیات اکبر الہ آبادی" خزینہ علم وادب، لاہور، 2010، ص:1294
2. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، بک کارنر، جہلم، 2021، ص:77
3. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2021، ص:12، 11
4. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "کلیات اکبر الہ آبادی"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022، ص:134
5. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"،، بک کارنر، جہلم، 2021، ص:179
6. ایضاً، ص:293
7. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "کلیات اکبر الہ آبادی"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022، ص:235

8. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2021، ص:298
9. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "کلیات اکبر الہ آبادی"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022، ص:322
10. ایضاً، ص:31
11. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2018، ص:207
12. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "کلیات اکبر الہ آبادی"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022، ص:159
13. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2018، ص:671
14. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، بک کارنر، جہلم، 2021، ص:138
15. ایضاً، ص:128
16. ایضاً، ص:293
17. ایضاً، ص:163
18. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2018، ص:100
19. محمد اقبال، علامہ، "کلیات اقبال"، بک کارنر، جہلم، 2021، ص:273
20. محمد زکریا، خواجہ، مرتب، "کلیات اکبر الہ آبادی"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2022، ص:179
21. عبدالقادر سروری، پروفیسر، "اکبر اور اقبال" مشمولہ، "نگار" مدیر، فرمان فتح پوری، ادارہ ادب عالیہ، کراچی، 1969، ص:187
22. محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، "مغربی تہذیب کے مشرقی نقاد"، بزم اقبال، لاہور، 2012، ص:101
23. قمر جہاں، "اکبر، اقبال اور حسن نظامی" مشمولہ، "فکر و تحقیق" مدیر، ڈاکٹر علی جاوید، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2009، ص:18

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Syed Akbar Hussain Rizvi, *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi* ,Khazina Ilm-o-Adab, Lahore,2010, P:1294
2. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Book Corner, Jhelum,2021, P:77
3. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Akbar Ilahabadi: Tehqeeqi o Tanqeedi Mutala'a* ,Alhamd Publications, Lahore,2021, P:11–12
4. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi*,Alhamd Publications, Lahore ,2022, P:134
5. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Book Corner,Jhelum, 2021, P: 179
6. Ibid, P:293
7. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi* ,Alhamd Publications,Lahore, 2022, P:235
8. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Iqbal Academy Pakistan,Lahore, 2021, P:298
9. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi*,Alhamd Publications,Lahore, 2022, P:322
10. Ibid, P:31
11. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Iqbal Academy Pakistan,Lahore, 2018, P:207

12. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi*,Alhamd Publications,Lahore, 2022,P:159
13. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Iqbal Academy Pakistan,Lahore, 2018,P:671
14. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Book Corner, Jhelum,2021, P:138
15. Ibid, P:128
16. Ibid,P:293
17. Ibid, P:163
18. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Iqbal Academy Pakistan,Lahore, 2018, P:100
19. Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*,Book Corner,Jhelum, 2021, P:273
20. Khwaja Muhammad Zakariya (Murattib), *Kulliyat-e-Akbar Ilahabadi*,Alhamd Publications,Lahore, 2022), P:179
21. Professor Abdul Qadir Sarwari, *"Akbar aur Iqbal"*, in Nigar, ed. Farman Fatehpuri Idara-e-Adab-e-Aalya,Karachi, 1969,P:187
22. Dr. Muhammad Asif Awan, *Maghribi Tehzeeb ke Mashriqi Naqqad*,Bazm-e-Iqbal,Lahore, 2012, P:101
23. Qamar Jahan, *"Akbar, Iqbal aur Hasan Nizami"*, in *Fikr-o-Tehqeeq*, ed. Dr. Ali Javed,Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban,New Delhi, 2009,P:182